# سیاسی پنڈت اور انکے اوتار

ساؤتھ ایشین سیاح جاپان میں سیر و سیاحت کے دوران ایک بس پر سفر کر رہا تھا۔راستے میں بس کچھ دیر کے لیے ایک مقام پر رکی تو سیاح نے نیچے اتر کر چائے پی اور فروٹ والے سٹال سے "کیلے" خرید کر دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔بس چلنے کے کچھ دیر بعد سیاح نے کیلوں والے بیگ سے کیلا نکال کر کھانے لگا تو دیکھا کہ کیلے کا کچھ حصہ خراب تھا۔باقی کیلوں میں سے دو تین کیلوں کے ساتھ یہی معاملہ تھا۔اس پر سیاح نے غصے میں آ کر جاپانیوں کو برا بھلا کہہ دیا۔ساتھ والی نشست پر بیٹھے ایک جاپانی مسافر کو جب ساری بات کا پتہ چلا تو وہ اس سیاح سے پوچھتا ہے کہ آپ نے کتنے پیسوں میں یہ کیلے خریدے تھے؟ سیاح کے بتانے پر جاپانی نے جیب سے اتنے پیسے نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیے اور ساتھ کہا کہ جناب اب میری قوم کو برا نہ کہنا ورنہ مجھ سے برداشت نہ ہو گا۔قوم پرستی کا یہ عالم دیکھ کر سیاح کو حیرانگی بھی ہوئی اور اپنے فعل پر شرمندگی بھی۔سیاح نے جاپانی سے معافی مانگ کر اس کے پیسے واپس کر دیئے۔جس ملک کا ایک عام شہری اپنی قوم کے بارے میں کوئی برا لفظ برداشت نہ کرے تو اس ملک کی قیادت کیسی ہو گی؟ کسی قوم پر اس سے زیادہ برا وقت کیا وہ گا کہ اُس کے دو شہروں پر ایٹم بم گرا کر نسیت و نابود کر دیئے جائیں اور امریکی صدر ایک ذلت آمیز صلح نامہ لے کر شاہِ جاپان کے پاس پہنچ جائے۔شاہ نے صلح نامہ بغور پڑھا اور اُس میں سے ایک شق کاٹ دی۔امریکی صدر نے کہا کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کے دو شہروں پر ایٹم بم گرا دیئے گئے ہیں آپ صلح میں بھی اپنی شرط رکھ رہے ہیں۔شاہِ جاپان نے جواب دیا میں نے کوئی شرط نہیں رکھی صرف آپ کی ایک ایسی شرط صلح نامے سے خارج کی ہے جس کو تسلیم کر کے ہم ویسے بھی مر ہی جائیں گے تو کیونکہ آپ کے ساتھ لڑ کر باوقار طریقے سے موت کو گلے لگا لیا جائے۔شرط یہ تھی کہ جاپانیوں کا نظامِ تعلیم اور نصاب تعلیم بھی امریکی طے کریں گے جس کو ماننے سے شکست خوردہ شاہ نے بھی انکار کر دیا۔شاہ کا کہنا تھا کہ ہم اپنا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کسی غیر قوم کے حوالے کسی صورت نہیں کر سکتے اور پھر اقوام عالم نے دیکھا کہ اُسی نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کی بدولت امریکہ کو معاشی میدان میں ایسی شکست دی کے دنیا حیران پریشان ہو گی۔فاتح امریکہ کی سڑکوں پر چلنے والے گاڑیوں سے لے کر امریکی بچوں کے کھونوں تک امریکہ نے جاپان سے رد آمد کیئے۔جنگ عظیم دوئم کی تباہ کاریوں کے باوجود اپنی معاشی حالت سنوارنے میں جاپانیوں نے ایک قوم بن کر اتنی محنت کی کہ آج کے سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے دور میں جاپان اور ٹیکنالوجی میں ایسا تعلق نظر آتا ہے جو قلب و نبض میں ہوتا ہے۔حالیہ قدرتی آفات میں بھی جاپان نے کسی قسم کی بیرونی امداد لینے سے انکار کر کے خود انحصاری پر یقین کرنے والی قوم ہونے کا منہ بولتا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔جاپان کی طرح جرمنی بھی جنگ عظیم کے دوران کھنڈرات میں بدل گیا تھا۔مگر وہاں کی عوام نے "قوم" بن کر چار دہائیوں میں جرمنی کی معاشی حالت کو اتنا مضبوط بنا دیا کہ اس کا شمار دنیا کے مضبوط معاشی نظام والے ممالک میں ہونے لگا۔آسٹریا سے آ کر جرمن قوم پر مسلط ہونے والے "ہٹلر" کے بعد جرمن لوگ اس قدر قوم پرست ہو گئے کہ انہوں نے اپنے قوانین میں ایسی تبدیلیاں کیں کہ آئندہ کوئی "غیر قوم" کا باشندہ ان پر مسلط ہی نہ ہو سکے۔کسی بھی حساس ادارے میں کلیدی عہدے یا کسی خاص آسامی پر تعینات ہونے کے لیے خالصتاً "جرمن" ہونا بنیادی شرط قرار دیا گیا۔اگر کسی کے ماں باپ میں سے ایک بھی

"خالص جرمن" نہ ہوتو اس کو کسی حساس ادارے کا خاص عہدہ نہیں دیا جاتا۔ معمولی سے معمولی آسامی کو پر کرتے وقت بھی "سب سے پہلے جرمن" کا قانون ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ اس آسامی کے لیے اگر جرمن باشندہ میسر نہ ہوتو یورپی یونین کے ممالک کے باشندوں کی ترجیح دی جاتی ہے۔ اگر کوئی یورپی یونین کا باشندہ بھی نہ ملے تو جرمنی میں آباد وہ جن کے پاس وہاں رہنے اور کام کرنے کا قانونی حق ہے ان کو موقع دیا جاتا ہے۔ ان قوانین کی وجہ سے اکثر جرمنی کو متعصب اور قوم پرست ہونے کا طعنہ بھی دیا جاتا ہے مگر ان کا ہر قانون اور اصول اپنے ملکی مفاد کے لیے ہے۔ جاپان اور جرمنی جنگ عظیم میں تباہ و برباد ہو کر بھی آج دنیا میں معاشی طور پر اس لیے مستحکم ہیں کہ یہ اپنے ملک کے وفادار ہیں۔ اپنے گھر کے معاملات خود حل کرنا ان کے خون میں شامل ہو چکا ہے۔ الزام لگانا تو دور کی بات اگر کوئی ان کی قوم کو برا کہے تو عام شہری بھی اس کا دفاع کرتا نظر آتا ہے۔ آیئے اب اُس وطن عزیز کی حالت زار بھی دیکھ لیں جس کے حصول کیلئے قربانیوں کی انگنت داستانیں سناتے ہمارے باپ اور نصاب تھکتے نہیں ہیں۔ ہمارے ساتھ المیہ یہ ہے کہ جب تک ہم ایک قوم تھے ہمارے پاس اپنا ملک نہ تھا جب ملک نصیب ہوا تو ہم "قوم" نہ رہے۔ جن کے تسلط سے آزاد ہونے کے لیے ہمارے بڑوں نے آزادی کی تحریکوں میں جانی و مالی قربانیاں دے کر آزاد ملک کی تعبیر حاصل کی تھی۔ آج ہمارے نظر نہ آنے والے قائدین ان خارجی اور سامراجی قوتوں کو ملک کے اندرنی معاملات میں مداخلت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ کیا خودداری اور خود انحصاری کو چھوڑ کر ہم کبھی ایک قوم نہیں بن سکتے؟ ملک سے وفاداری ایک ایسا مرض ہے اگر یہ ملک کے سربراہ کو لاحق ہو جائے تو اس کا وائرس ایسے پھیلتا ہے کہ اس سے کوئی شہری بھی بچ نہیں سکتا۔ جس ملک میں یہ وبا پھیل جائے تو اس پر کسی ڈرون کا سپرے تو چھوڑیں برسات بھی کر دی جائے تو اس کا اثر نہیں ہوتا۔ مگر ہمارے سربراہان کو اپنے آپ پر، ملکی وسائل اور اداروں پر اتنا بھروسہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ داخلی معاملات خارجی قوتوں سے حل کروانے کی عادی ہو چکے ہیں۔ پتھر کی مورتیوں کو پوجنے والے کافر بھی اقتدار میں آنے، کسی کو اقتدار سے گرانے یا اقتدار کو بچانے کے لیے کسی زندہ شخص کو بھگوان بنا کر نہیں پوجتے۔ یہ ایک تلخ حقیقت اور کڑوا سچ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بہت سے سیاسی پنڈت اقتدار میں آنے کے لیے، کسی کو اقتدار سے محروم کرنے کے لیے یا اپنا اقتدار بچانے کے لیے جیتے جاگتے بھگوانوں کے درشن کے لیے اکثر لندن اور واشنگٹن کی "یاترا" کیلئے آتے رہتے ہیں۔ کچھ تو ان کا آشری باد لینے کے لیے معصوم جانوں کا نذرانہ دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ "سب سے پہلے پاکستان" کا نعرہ لگانے والے اقتدار سے محروم کیے جانے کے غم کو بھولنے کے لیے لندن کی لمبی یاترا پر آئے ہیں۔ جہاں پر پہلے سے ہی کچھ سیاسی پنڈت پکا ڈیرہ لگائے بیٹھے ہیں۔ ہمارے ملک میں ۔۔۔۔۔ الزام لگاء ۔۔۔۔ جان چھڑاؤ کی ہوا آج کل کچھ زیادہ ہی تیز چل رہی ہے۔ ہر پارٹی دوسرے پر الزام لگا رہی ہے جن کی نوعیت اتنی سنگین ہوتی ہے کہ اگر الزام ثابت ہو جائے تو قانون میں اس کی سزا موت ہے۔ مگر آج تک جب ان الزامات کا کبھی کسی نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا تو سزا دینے کا جواز ہی کیا رہ جاتا ہے۔ الزامات کی اس بہتی گنگا میں باہر والے صرف ہاتھ ہی نہیں دھوتے بلکہ کئی چیزوں پر ہاتھ صاف بھی کر جاتے ہیں۔ حقانی نیٹ ورک سے تعلقات رکھنے کا الزام جب ثابت نہ ہو سکا تو حسین حقانی اور "میمو" کا الزام منظر عام پر آ گیا۔ جس میں فائدہ کس کا ہے اور کس کا نقصان یہ تو چند دن میں منظر عام پر آ ہی جائے گا۔ ابھی تک تو اس میں ہمیشہ سیاسی پنڈتوں اور ان کے اوتار ہی فائدے میں رہے ہیں۔ سیاسی پنڈتوں کی اپنے

اوتاروں سے وابستگی ہر دور میں رہی ہے جس کو ذہن میں رکھ کر "میمو سازش "تیار کی گئی۔ملکی مفاد کی خاطر یہ ضروری ہے کہ الزامات کی اس وبا پر قابو پایا جائے جو اس وقت تک ممکن نہیں ہوسکتا جب تک الزام لگانے والے کے دل میں یہ ڈر پیدا نہ ہو کہ اگر اس نے الزام ثابت نہ کیا تو اس کے خلاف بھی قانونی کارروائی ہوسکتی ہے۔دنیا کے ہر کام میں ٹائمنگ کو بڑی خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔اچھے باورچی کو پتہ ہوتا ہے کس کھانے میں کیا کب ڈالنا ہے اور کتنی آنچ پر کتنی دیر پکانا ہے، کسی بلے باز کی شارٹ کی ٹائمنگ ٹھیک نہ ہو تو وہ اس کے آؤٹ ہونے کے چانس زیادہ ہوتے ہیں، سیاسی کھیل میں بھی ٹائمنگ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔خاص ٹائمنگ سے لگایا گیا الزام..... بے وقت کے ثابت شدہ جرم سے زیادہ اثر دکھاتا ہے۔جس "میمو" کی پہلے تردید کی گئی.....اس کی اب تصدیق کرنے میں سب سے اہم بات ٹائمنگ ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جس ٹائمنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے سازش کرنے والوں نے سازش کی کیا وہ ٹائمنگ واقعی کسی بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے؟ میمو گیٹ سکینڈل بظاہر بہت سے اداروں کے خلاف سازش دکھائی دے رہی ہے لیکن اس کا اصل ہدف میرے خیال کے مطابق افواج پاکستان ہے اور اس کے بعد وقت اور مقام کے حوالے سے بھی یہ کام جس سرزمین پر جن لوگوں نے سرانجام دیا ہے اُن کا اپنا ماضی افواج پاکستان اور پاکستان میں جمہوریت کے حوالے سے اتنا معتبر نہیں ہے۔یہ حملہ اُسی ذہن کی کارستانی ہے جو اس سے پہلے بھی افواج پاکستان کے سامنے اپنے ناجائز مطالبات پیش کر کے انکار سن چکے ہیں۔اب حقانی نیٹ ورک اگر ان کے دائرہ قدرت سے باہر تھا تو ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ حسین حقانی اُن کی دسترس میں تھا۔حسین حقانی کے استعفے کے بعد یہ بات ختم نہیں ہوئی بلکہ شروع ہوئی ہے۔ممکن ہے کہ یہ سازش ہے پاکستان کو مقتدر کرنے میں اہم کردار ادا کردے اور ہم امریکی دوستی سے ہمیشہ کیلئے دست بردار ہوکر اپنے وسائل میں رہتے ہوئے اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلائیں۔ورنہ یہ میمو کیا پورے پورے رجسٹر ڈنکل آئیں گے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com